ڈاکٹر محمد اصغر سیال

ماہرِ مضمون اردو

گورنمنٹ ہائر ایجوکیشن اسکول، بودلہ سنت، ملتان

سرسیّد کا ترجمۂ قرآن

ABSTRACT

The Urdu Translation of Holy Quran by Sir Syed Ahmed Khan
By Dr Muhammad Asghar Sayyal, Subject Specialist, Urdu, Govt Higher Secondary School, Bodhla Sant, Multan.

Sir Syed Ahmed Khan had immense efforts for the betterment of sub-continent's Muslims in the domain of literature, History and historiography. He understood that if Muslims wanted to improve a modern education and a logical approach was imperative. Logical and rational thinking is an inseparable part of Sir Syed's writings. In his translation of the Holy Quran ,he gave an idea that Islam is not against modern education. This translation and commentary on Holy Quran had caused unrest among many Muslims and many questions were raised about his religious views in the sub-continent.

This research paper analyses the language used in Urdu translation of Holly Quran by Sir Syed and his command over Urdu and Arabic.

سرسید احمد خاں (۱۸۱۷ء- ۱۸۹۸ء) وسیع المطالعہ اور دور اندیش انسان تھے۔ انھوں نے برِعظیم کے مسلمانوں کی سیاسی، تعلیمی اور معاشرتی سطح پر خدمت کی۔ انھیں دین اسلام سے لگاؤ تھا اور انھوں نے اپنے منفرد انداز میں خدمتِ اسلام کا فریضہ انجام دینے کی کوشش کی۔ انھوں نے مسلمانوں کو علمی، ادبی اور تحقیقی ذخیرہ مہیا کیا۔

اٹھارہ سو ستاون کی جنگِ آزادی کی ناکامی کے بعد ہندوستان کا منظر نامہ مکمل طور پر بدل گیا۔ غائر مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مایوسی کے دور میں امید کی کرن اور مستقبل کی نوید سرسید احمد خاں تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کے احساسِ محرومی کو ختم کیا اور حالات کے مطابق حکمرانوں سے تعاون واشتراک کے ذریعے کامیابی کا راستہ دکھایا۔ کوئی بھی مؤرخ و مفکر سرسید کے اثرات سے صرفِ نظر نہیں کرسکتا۔[۱] سرسید نے متعدد موضوعات پر کتب تصنیف کیں اور انھیں لکھاریوں کی بہترین ٹیم بھی میسر تھی۔

غدر کے بعد سرسید نے ایک رسالہ "اسبابِ بغاوتِ ہند" کے عنوان سے شائع کیا، جس کی پانچ سو کاپیاں چھاپی

گئیں۔ انھوں نے اپنے پاس چند کاپیاں رکھیں، ایک حکومتِ ہند کو اور باقی تمام ممبرانِ پارلیمنٹ کو ارسال کر دی گئیں۔ جس کے نتیجے میں حکومتِ برطانیہ نے اسلامیانِ ہند کی بعض شکایات کا ازالہ کر دیا۔[۲] ۱۸۶۰ء میں مراد آباد سے "لائل محمڈنز آف انڈیا" کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا گیا جس میں بغاوت کے سلسلے میں انھوں نے شہادت کی روشنی میں ثابت کیا کہ مسلمان کسی بھی مرحلے پر انگریزوں سے دشمنی کا ارادہ نہیں رکھتے تھے۔[۳] ۱۸۶۶ء میں علی گڑھ میں "برٹش انڈین ایسوسی ایشن" قائم ہوئی جس کا مقصد ہندوستانیوں کو ان کے حقوق و فرائض سے آگاہ کرنا تھا۔ اس میں ہندو مسلم دونوں شریک تھے۔ ان کی گزارشات پر انگریز حکومت نے مقامی افراد کی تکالیف کو رفع کیا۔ یکم اپریل ۱۸۶۹ء میں سرسید احمد خاں سر ولیم میور کی کتاب "لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)" کا جواب لکھنے کی غرض سے انگلستان روانہ ہوئے تا کہ انگریزوں کی تہذیب کا غائر مطالعہ کر سکیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے انھوں نے اپنا کتب خانہ فروخت کر دیا جبکہ مکان اور کوٹھی رہن رکھ دی۔[۴] بعد ازاں انھوں نے مدلل مضامین تحریر کیے جنھیں "خطباتِ احمدیہ" کے عنوان سے شائع بھی کیا گیا۔ ۱۸۶۴ء میں حکومتِ برطانیہ نے کلکتہ میں سنسکرت کالج کھولنے کا ارادہ کیا تو ہندوؤں نے انگریزی تعلیم کی استدعا کی۔[۵] چنانچہ مسلمانوں کو جب علم ہوا کہ انگریز پورے برِعظیم میں انگریزی رائج کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو انھوں نے آٹھ ہزار مسلمان رؤسا کے دستخط کے ساتھ یہ خدشہ ظاہر کیا کہ انگریز حکومت مسلمانوں کو عیسائی بنانا چاہتی ہے۔[۶] سرسید نے اس حوالے سے راہ ہموار کی۔ یہ علی گڑھ تحریک کا نتیجہ تھا کہ تمام مسلمان تعلیم یافتہ افراد کو ملازمتیں ملنا شروع ہو گئیں۔ سرسید نے مختلف مقامات پر انگریزی اور مغربی علوم کی اہمیت اجاگر کی۔ ۲۴/ دسمبر ۱۸۷۰ء میں "تہذیب الاخلاق" جاری کیا گیا۔ ۲۴ ۔مئی ۱۸۷۵ء میں سب جج مولوی سمیع اللہ خان کی نگرانی میں محمڈن اینگلو اورینٹل ہائی سکول قائم ہوا جس کا افتتاح سر ولیم میور سے کروایا گیا۔ اس ادارے میں جدید اور مغربی علوم کے لیے انگریز پروفیسر تعینات کیے گئے۔[۷] ۱۸۹۶ء میں سرسید کے صاحبزادے سید محمود نے ایک اسکیم کے ذریعے واضح کیا کہ مسلمان ایک الگ قوم ہیں۔ ان کی ہر سطح پر علاحدہ نشستیں اور انتخابات ہونے چاہئیں۔ ۲۷/ مارچ ۱۸۹۸ء میں سرسید کی وفات ہوئی۔ اس وقت قوم واضح طور پر جاگ چکی تھی۔

سرسید احمد خاں نے جو مذہبی رسائل تحریر کیے، ان کی تفصیل مولانا الطاف حسین حالیؔ نے اپنی کتاب "حیاتِ جاوید" میں درج کی ہے۔ ۱۸۴۶ء میں "فوائد الافکار فی اعمال الفرجار" کا ترجمہ ذاتی امثلہ کے ذریعے کیا گیا۔[۸] ۱۸۴۸ء میں سرسید احمد خاں نے "قول متین در ابطال حرکت زمین" رسالے میں حرکتِ زمین جس کا قائل پورا یورپ ہے، غلط ثابت کیا۔ ۱۸۴۹ء میں انھوں نے "کلمۃ الحق" کے عنوان سے پیری مریدی اور بیعت کے رائج طریقے کے خلاف رسالہ تحریر کیا۔[۹] ۱۸۵۰ء میں وہابیت کے جوش میں انھوں نے رسالہ "راہِ سنت در ردِ بدعت" تالیف کیا۔[۱۰] ۱۸۵۲ء میں "نمیقہ در بیان مسئلۂ تصورِ شیخ" رسالہ تحریر کیا، جس میں انھوں نے فارسی زبان کے ایک فرضی یا حقیقی خط میں تصور مصطلح مشائخ نقشبندیہ کو وسیلۂ محبتِ خدا و محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور رحمتِ الٰہی بیان کیا۔ اسی سال ہی "سلسلۃ الملوک" کو ترتیب دیا۔ یہ ایک مختصر بادشاہوں اور

راجاؤں کی تاریخ ہے جس میں راجا یڈھشٹر سے ملکہ قیصر تک دوسودو حکمرانوں کے نام اور دیگر معلومات عہد بہ عہد دی گئی ہیں۔(۱۱) ۱۸۵۳ء میں انھوں نے "آغاز کیمیائے سعادت کے چند اوراق کا ترجمہ" تحریر کیا۔ مذکورہ تمام کتب اور رسائل دلّی کی منصفی کے دوران میں لکھے۔

سرسید احمد خاں مسلمانوں کی دنیاوی ترقی کے لیے جدید تعلیم کو لازمی تصور کرتے تھے۔ اسی طرح ان کی خواہش تھی کہ تعلیم یافتہ افراد بھی مذہب کی وقعت کو سمجھیں۔ ان کا خیال تھا کہ انگریزی تعلیم کے حصول سے مسلمان، عیسائی اور ہندو متشکی حالتوں کے علاوہ دین و مذہب کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ طبعی علم اور ریاضی کی طرح وہ ثبوت کے طالب ہوتے ہیں اور دینی بات جو عقل یا قانونِ فطرت کے خلاف ہو اسے نہیں مانتے۔(۱۲) مولانا الطاف حسین حالیؔ "حیاتِ جاوید" میں تحریر کرتے ہیں کہ مغربی تعلیم کی وجہ سے اکثر یورپی ممالک میں دہریت اور الحاد پھیلتا جاتا ہے سرسید کو ان مضر نتائج کا خدشہ اسلام کے بارے میں بھی تھا۔ چنانچہ انھوں نے ۱۸۷۶ء میں تفسیر لکھنے کا آغاز کیا جس کا علم مدرستہ العلوم کے طلبہ سے خطاب کے دوران میں ہوا۔ انھوں نے ان سے کہا کہ طلبہ ذہن نشین کر لیں کہ سب سے سچا کلمہ لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے جس پر تیقن سے ہماری قوم، قوم ہے۔ اگر آپ نے سب کچھ کیا اور اس پر ایمان نہ لائے تو آپ ہماری قوم نہ ہوں گے۔ اسلام اور علم سے ہی قومی عزت عبارت ہے۔(۱۳) حالی مزید تحریر کرتے ہیں کہ اس کے باوجود انھوں نے مغربی تعلیم کو اسلامیانِ ہند کے لیے ناگزیر قرار دیا۔ ان کے مطابق "ٹھیٹ اسلام" کو انگریزی تعلیم سے صدمہ نہیں پہنچ سکتا۔ انھوں نے قرآن کے اصول سچے ثابت ہونے کا دعویٰ کیا۔ انھوں نے واضح کیا کہ اگر غلطی ہوئی ہے تو وہ صرف اور صرف ہمارے علم کا ضیاع تھا لیکن قرآن اسی طرح سچا تھا۔ البتہ ان کا یہ بیان ضرور تھا کہ موجودہ دور میں اسلام کا اطلاق جس لفظ پر کیا جاتا ہے وہ مغربی علوم کے مقابل نہیں لایا جاسکتا۔(۱۴) سرسید کو بالکل مایوسی تھی کہ ہمارے مسلم الثبوت علما اس طرف متوجہ نہیں ہو رہے۔ یوں وہ اس خیال کے پیشِ نظر مسلمانوں میں انگریزی تعلیم کا سبب وہ خود ہیں اس لیے یہ ضروری فریضہ بھی انھیں انجام دینا ہے۔ حالیؔ نے ان کی ایک تقریر کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ سرسید نے کہا کہ جو لوگ اسلام پر بلا فلسفیانہ دلیل و حجت کے ایمان رکھتے ہیں ان کا عقیدہ دلیل و حجت سے یقین پختہ کرنے والوں کی نسبت زیادہ مضبوط ہے کیونکہ ان کے قلب میں شک کی گنجائش نہیں کیونکہ وحدانیت اور رسالت پر ایمان لانے والے کو کسی واضح عقلی دلیل کی ضرورت نہیں۔ انھوں نے ایسے افراد کو اپنی بحث سے خارج تصور کیا ہے اور انھیں یقین کا "ستارہ" اور اسلام کا "نمونہ" سمجھتے ہوئے "ٹھیک مسلمان" قرار دیا ہے۔(۱۵)

مولانا الطاف حسین حالیؔ کے مطابق سرسید احمد خاں نے قرآن کو قطعی الثبوت قرار دیا اور حدیث و دیگر اقوال و قیاسات و اجتہادات کو اپنی بحث سے الگ سمجھتے ہوئے نکال دیا۔(۱۶) حاشیے میں انھوں نے واضح کیا ہے کہ سرسید کا دعویٰ اسلامی حمایت میں صرف اتنا ہے کہ سائنس کی رو سے قرآن کریم پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا البتہ جو لوگ مذہب اسلام پر کتاب و سنت و اجماع و قیاس کا اطلاق کرتے ہیں اُن پر لازم ہے کہ وہ سائنس کے حملے سے مکمل دفاع کریں۔(۱۷) مذکورہ

اصول کے تحت سرسید نے قرآن کریم کی تفسیر لکھنے کا پختہ ارادہ کرلیا۔ ابتدا میں "تہذیب الاخلاق" میں یہ سلسلہ بلالحاظ ترتیب جاری رہا۔ ان کے آرٹیکل شائع ہوتے رہے۔

رسولِ اکرم ﷺ کی بعثت کے متعلق انھوں نے چار مضامین پر مشتمل ایک مختصر رسالہ "نشانِ راہ" کے عنوان سے تحریر کیا؛ جسے سید اشفاق حسین نے مرتب کیا۔ ڈاکٹر بلیغ الدین جاوید اس رسالے کے ابتدائیے میں اسے دستاویز کا درجہ دیتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

> جناب سرسید احمد خان جیسے عالم نے اس تحریر کی صورت میں ہمیں ایک ایسی دستاویز دی ہے۔ جسے بھلایا نہیں جا سکتا اور جناب سید اشفاق حسین صاحب نے اسے ترتیب دے کر ہم پر احسان عظیم کیا ہے۔[۱۸]

کئی مواقع ایسے آئے جن میں سرسید نے خود کو خطرے میں ڈال کر بھی اسلامی موقف اپنے مدلل انداز میں پیش کیا۔ سر ولیم میور کی کتاب "لائف آف محمد"[۱۹] کو پڑھ کر سرسید احمد خاں کو دلی صدمہ پہنچا اور انھوں نے تہیہ کرلیا کہ اس کتاب کا تحقیقی جواب تیار کیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے انھوں نے ۱۸۶۹ء میں لندن کا سفر کیا۔ انھوں نے مدلل جواب کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ انھوں نے فرانس، مصر اور جرمنی سے سیرت کی کتابیں منگوائیں جن میں "سیرتِ ہشام" اور لاطینی کتب شامل ہیں۔[۲۰] تورات اور انجیل کے اندر حضور اکرم ﷺ کا تذکرہ مسٹر ہیگنز نے ثابت کر دکھایا۔ سرسید احمد خاں نے "خطباتِ احمدیہ" کی تکمیل میں نہایت جانکاہی اور محنت سے کام لیا۔[۲۱]

سرسید احمد خاں نے اپنی استطاعت کے مطابق قرآن مجید کا بغور مطالعہ کیا اور اس کے نظم کے اصول وضوابط کو سمجھا۔ انھوں نے خود لکھا ہے:

> جو اصول قرآن مجید سے نکلتے ہیں ان کے مطابق کوئی مخالفت علوم جدیدہ میں نہ اسلام سے ہے اور نہ قرآن سے۔[۲۲]

نواب سید مہدی علی خاں (۱۸۳۷ء- ۱۹۰۷ء) نے سرسید کو دو خطوط ارسال کیے، جن میں انھوں نے لوگوں کے شبہات و اعتراضات کا تذکرہ کیا۔ پہلا خط حیدرآباد دکن سے ۹/اگست ۱۸۹۲ء میں لکھا گیا۔ اس خط میں سرسید کے اسلوبِ نگارش کی تو تعریف کی گئی کہ سحر انگیز انداز عجیب عطیۂ خداوندی ہے۔ مگر افسوس اس بات کا ہے کہ یورپی تعلیم یافتہ لوگوں کے مسائل کو جنھیں مذہب کا پابند نہیں تصور کیا جاتا کا ذکر ایسا ماڈل کیا کہ اسے تاویل کے درجے تک پہنچا دیا جبکہ تاویل اس پر صادق نہیں۔ انھوں (سرسید) نے مفسرین کو تو خوب بُرا بھلا کہا اور یہودیوں کو مقلد بنایا۔[۲۵]

سرسید احمد خاں (۱۸۱۷ء- ۱۸۹۸ء) نے نواب محسن الملک (۱۸۳۷ء- ۱۹۰۷ء) کو جواب دیتے ہوئے لکھا کہ ان کے پاس کونسا ذریعہ ہے جس کی بنا پر انھوں نے اعتراض کیا۔ مزید انھوں نے بچپن کی تربیت اور باتوں کے اثر کو "نقش

کالحجر" قرار دیا جسے مٹانا اعلیٰ قوتِ ایمانی اور انتہائی غور وفکر کا متقاضی ہے۔(۲۶) چنانچہ اسی لیے جب ایک مولوی صاحب نے سرسید سے ان کی تفسیر کا مطالعہ کرنے کی خواہش ظاہر کی تو انھوں نے ان سے سوال کیا کہ انھیں توحید، رسالت اور آخرت پر یقین ہے۔ ان کے "الحمدللہ" کے الفاظ میں جواب پر انھوں نے کہا کہ یہ تفسیر ان کے لیے نہیں بلکہ ان افراد کے لیے ہے جو ان پر یقین نہیں رکھتے۔ ان کے ترجمے سے زیادہ تفسیر پر اعتراضات کیے گئے۔ سرسید نے مخلصانہ نیت کے ساتھ یہ کام کیا۔ انھوں نے اس کا اظہار بھی کیا کہ جو کچھ ان کی تحقیقات ہیں وہ اسے ہی صحیح قرار نہیں دیتے البتہ ان سے جو کچھ ہوا یا ہو سکتا تھا انھوں نے کیا۔ یہ معاملہ خدا کے سپرد ہے وہ معاف کرے یا صلہ دے۔ انھوں نے واضح کہا کہ وہ کسی کے کافر یا نیچری کہنے سے خوف زدہ نہیں اور نہ بُرا خیال کرتے ہیں۔ وہ کسی بندے سے کوئی توقع نہیں رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنا معاملہ خدا پر چھوڑ دیا کہ وہ رحم فرمائے گا۔(۲۷) مولانا الطاف حسین حالیؔ تحریر کرتے ہیں کہ سرسید کا مقصد اسلام کی حقانیت کو ایسا معیار دینا تھا جو ہر مذہب کی پرکھ کا پیمانہ بن سکے اور اس میں کوئی بات خلافِ فطرت نہ ہو۔ انھوں نے دستورِ فطرت کو خدا کا فعل کہا اور مذہب کو اس کا مراسلہ، لہٰذا دونوں میں مطابقت ضروری ہے۔(۲۸)

اس کام کا باقاعدہ ملازمت سے سبکدوشی کے بعد انھوں نے علی گڑھ آکر کیا اور اسے اخیر دم تک لکھتے رہے کہ خود راہیٔ ملکِ عدم ہوگئے۔(۲۹) مولانا حالیؔ تحریر کرتے ہیں کہ جس اصول پر سرسید نے تفسیر کا آغاز کیا، وہ بہت مشکل تھا۔ قول کی حد تک یہ نہایت آسان ہے کہ اسلام میں کوئی بات فطرت کے قانون کے خلاف نہیں لیکن اسے ثابت کرنا جب کہ اس کا کوئی نمونہ بھی موجود نہ ہو بہت مشکل امر تھا۔ سرسید نے مشکلات و اعتراضات کے باوجود ثابت قدمی سے اسے اپنا نہایت اہم مذہبی فریضہ سمجھ کر انجام دیا۔(۳۰) سرسید کی تفسیر کے بارے میں مولانا حالیؔ تحریر کرتے ہیں کہ انھوں نے جگہ جگہ ٹھوکریں کھائیں اور بعض مقامات پر اُن سے نازک لغزشیں بھی ہوئیں۔ اس کے باوجود ان کی مذہبی خدمات قابلِ ستائش ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> ہم اُن کی مذہبی خدمات میں ایک نہایت جلیل القدر خدمت سمجھتے ہیں جس سے اسلام کی محبت اور ہمدردی کے علاوہ اُن کی لٹریری لیاقت کا ایک حیرت انگیز کرشمہ ظاہر ہوتا ہے۔(۳۱)

انھوں نے مزید لکھا ہے:

> اسی طرح ان مولویوں نے اپنی تفسیروں کے خریدار پیدا کرنے کا یہ گُر نکالا ہے کہ سرسید کو کہیں شیطان کا منکر، کہیں فرشتوں کا منکر، کہیں معجزات کا منکر، کہیں نبوت کا منکر، کہیں جنت و دوزخ کا منکر قرار دے کر مسلمانوں کو ان سے اور اُن کی تفسیر سے نہایت بدگمان اور متنفر کر دیا ہے۔ اگر یہ لوگ فی الواقع حمایتِ اسلام کی نظر سے سرسید کی تفسیر کا جواب لکھتے تو اُن کو سب سے پہلے اس بات کا فیصلہ کرنا چاہیے تھا کہ

انگریزی تعلیم مذہب کے حق میں فی الواقع کوئی خطرہ کی چیز ہے یا نہیں اور اگر ہے تو
آیا اُس کا علاج یہ ہے کہ انگریزی تعلیم کو قوم میں رواج نہ دیا جائے یا یہ کہ تعلیم سے جو
شبہات اسلام کے حق میں پیدا ہوتے نظر آتے ہیں اُن کا جہاں تک ممکن ہو استیصال
کیا جائے۔[۳۲]

حالی نے واضح لکھا ہے کہ لوگوں نے سرسید کے مقاصد کو پسِ پشت ڈال کر صرف اس بات پر زور دیا کہ ان کے خلاف تعصّبات کو مزید ہوا دی جائے تا کہ انھیں حامیِ دین اسلام تصور کیا جائے اور ان کی تفاسیر کی زیادہ سے زیادہ قدر کی جائے۔[۳۳] "حیاتِ جاوید" میں مولانا الطاف حسین حالی نے ایک لطیفہ تحریر کیا کہ ایک آدمی نے سرسید احمد خاں کو مکتوب ارسال کیا کہ میں عیال دار ہوں اور معاشی طور تنگ ہوں۔ آپ کسی ریاست یا انگریز گورنمنٹ میں میری ملازمت کے لیے سفارش کر دیجیے۔ ساتھ ہی بتایا کہ میں نے انگریزی تعلیم تو حاصل نہیں کی البتہ عربی کی درسی کتب پڑھی ہیں۔ جو کام آپ میرے لیے مناسب سمجھیں اس کے لیے سفارش کر دیجیے۔ سرسید احمد خاں نے جواباً لکھا کہ آپ میں سفارش نہیں کرتا باقی معاش کے لیے میرا مشورہ یہ ہے کہ میری تفسیر کا رَد لکھ کر شائع کروائیں اللہ نے چاہا تو زیادہ فروخت ہوگی اور آپ کی معاشی تنگی دور ہو جائے گی۔[۳۴]

قرآن مجید کے اردو زبان میں تراجم ہوئے اور اب تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ دنیا کی تمام زبانوں میں قرآن پاک کے تراجم کیے جا چکے ہیں۔ بذاتِ خود قرآن مجید ایک الہامی ادبی شہ کار ہے۔ اہل عرب کو اپنے ذوق اور زبان دانی پر ناز تھا۔ انھیں شاعری میں کمال حاصل تھا۔ کعبۃ اللہ کی دیواروں پر ادبی شہ پارے آویزاں کیے جاتے تھے۔ عبدالحکیم ندوی کے مطابق ان شہ پاروں کو "سبعہ معلقات" کے عنوان سے شائع کیا گیا۔ اسے عربی مدارس کے نصاب میں بھی شامل کیا گیا ہے۔ قرآن مجید، نے ایسے لاجواب انسانی جواہر پاروں کا چیلنج قبول کیا اور ان کے غرور کو خاک میں ملا دیا۔ قرآنِ پاک میں ارشادِ خداوندی ہے:

وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ وَادۡعُوۡا
شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۲۳﴾

اور اگر تمھیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے (اس خاص) بندے پر اتارا تو اس
جیسی ایک سورت تو لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے سب حمایتیوں کو بلا لو اگر تم سچے ہو۔[۳۵]

(سورۃ البقرہ: ۲۳)

اردو تراجمِ قرآن کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو اس کا آغاز برِعظیم میں نویں صدی ہجری کے اواخر میں ہوا۔ ڈاکٹر خالد ندیم کے مطابق پہلا ترجمہ ۸۸۳ھ میں راجا الور کی فرمائش پر عبدالصمد بن نواب عبدالوہاب خان نے "تفسیر وہابی" کے عنوان سے کیا۔[۳۶] ۱۸۰۳ء میں ڈاکٹر گل کرسٹ نے علما کی ایک کمیٹی کے ذریعے ترجمہ کرایا لیکن یہ ترجمہ اشاعت کے مراحل

طے نہ کر سکا۔ اس دور کے غیر مطبوعہ تراجم کی تعداد تقریباً پچیس بتائی جاتی ہے۔(۳۷)

محمد اکرام چغتائی کے مطابق تمام تر اختلافات کے باوجود سرسید احمد خاں نے برِعظیم کے مسلمانوں کے لیے تمام شعبہ ہائے زندگی کو نئے تعلیمی وادبی اور دینی تصورات سے روشناس کرایا۔ انھیں اسلامیانِ ہند کی تہذیبی و معاشرتی زبوں حالی اور انجام کا بخوبی ادراک تھا۔(۳۸) سرسید احمد خاں (۱۸۱۷ء-۱۸۹۸ء) تعلیمی اصلاح کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم کی طرف بھی مائل رہے۔ انھوں نے نصف قرآن کریم مع تفسیر مکمل کی۔ ۱۸۸۰ء میں اس کی پہلی اور بعد میں بقیہ جلدیں طباعت کے بعد منظرِ عام پر آئیں۔ ۱۸۹۸ء میں انھوں نے صرف پندرہ پاروں کو ترجمہ وتفسیر کے ساتھ مکمل کیا تھا کہ اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔

سرسید احمد خاں نے اپنی تفسیر کے پندرہ اصول بیان کیے ہیں۔ جن میں سے آخری حصے میں انھوں نے کلام کے معنی کے حوالے سے درج ذیل باتوں کی تحقیق لازم قرار دی ہے:

۱۔ لفظ کا مطلب لکھتے وقت دیکھا جائے کہ وہ لفظ اپنے وضع کردہ معنوں میں ہی مستعمل ہے۔

۲۔ تحقیق کی جائے کہ وضع کردہ لفظ کسی دوسرے معنی میں مستعمل نہ ہو۔

۳۔ لفظ کے مشترک المعنی ہونے کی صورت میں لازم ہے کہ وہ انہی میں سے کسی مطلب میں مستعمل ہو۔ ضمائر جن کا مرجع مختلف ہو، انھیں بھی اسی اصول میں داخل کیا جائے۔(۳۹)

۴۔ لفظ اپنے اصلی معنوں میں آیا ہے جو اس کے متبادل یا مجازی معانی ہیں۔

۵۔ تحقیق کی جائے کہ کلام میں کوئی شے مضمر ہے یا نہیں۔

۶۔ معانی پر جو لفظ دلالت کرتا ہے، اس کی تخصیص بھی کی گئی ہے یا نہیں۔

۷۔ معانی لکھتے ہوئے عقلی معارضہ واضح ہے یا نہیں۔ اثبات کی صورت میں یہ بات نئی نہ ہو بلکہ تمام علمائے کرام نے سیکڑوں مقامات پر اس کی تقلید کی ہو۔

۸۔ معانی کے اندارج کے وقت اس بات کا تصفیہ بھی ضروری ہے کہ وہ کلام مقصود ہے یا غیر مقصود، آیا اس پر استدلال ہو سکتا ہے یا نہیں۔(۴۰)

سرسید کے بعد عالمی سطح پر بھی اصول وضوابط برائے ترجمہ مرتب ہوتے رہے۔ ۱۹۳۵ء میں جامعہ الازہر میں ایک کمیٹی کی زیرِ نگرانی یہ طے پایا کہ ترجمہ کرتے ہوئے درج ذیل امور کو ملحوظ رکھا جائے گا:

۱۔ علم الکلام سے وجود پذیر عربی کے اصطلاحی الفاظ کو ترجمے میں شامل نہ کیا جائے۔

۲۔ سائنسی اور فلکیاتی مسائل سے ترجمے کو پاک رکھا جائے۔ ترجمہ عربی کے لسانی قواعد وضوابط کی روشنی میں کیا جائے۔

۳۔ اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ پڑھنے والے روحِ قرآن سے واقفیت حاصل کریں۔ معجزات کی تشریح اصل سیاق و

سباق کی روشنی میں کی جائے۔[41] اگرچہ سرسید اور عالمی سطح پر وضع کردہ ان تجاویز پر مکمل طور پر عمل نہیں ہوسکا لیکن اتنا ضرور ہے کہ ایک راہ ضرور متعین ہوگئی ہے۔

سرسید احمد خاں نے ترجمہ کرتے ہوئے اس بات کا التزام رکھا کہ اس وقت جو زبان رائج تھی اسی کو برتا جائے۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کا ترجمہ انھوں نے اس طرح کیا کہ صیغے کا بھی خیال رکھا اور الفاظ بھی وہی استعمال کیے۔ ملاحظہ کیجیے:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾

"خدا کے نام سے جو بڑا رحم والا ہے بڑا مہربان"[42]

سرسید احمد خاں نے سورۃ البقرہ کی ابتدا میں مستعمل لفظ "ذلک" کا ترجمہ اسم اشارہ بعید کے معنوں میں تحریر کیا۔ باقی تمام تراجم میں "ذلک" کا ترجمہ عموماً "یہ" کیا گیا۔ انھوں نے قواعد اور اسمِ اشارہ کا بالکل صحیح استعمال کرتے ہوئے ترجمے میں "وہ" لکھا۔ ملاحظہ کیجیے:

ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ ۚۖۛ فِیۡہِ ۚۛ ہُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۲﴾

"وہ کتاب ہے پرہیزگاروں کے لیے اس کے، راہنما ہونے میں کچھ شک نہیں"[43]

ڈاکٹر طاہر القادری نے اپنے ایک مختصر رسالے میں اس بات کا خصوصی ذکر کیا ہے۔ انھوں نے وضاحت کرتے ہوئے مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمے کو ممتاز قرار دیا۔ ان کے الفاظ ملاحظہ کیجیے:

"اہلِ علم جانتے ہیں کہ "ذلک" اسم اشارہ بعید ہے جو دور کی اشیاء کے لیے بولا جاتا ہے۔ قریب کی چیز کے لیے "ہذا" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ قرآن تو پڑھنے، سننے والے کے قریب ہے۔ دکھائی بھی دیتا ہے، پڑھا اور سنا بھی جاتا ہے لیکن یہاں اسم اشارہ قریب یعنی "ھذا" استعمال نہیں کیا بلکہ "ذلک" لایا گیا ہے۔ "ذلک" کے استعمال کی حکمت جاننے کے لیے آپ جتنے ترجمے چاہیں دیکھ لیں کسی ترجمے میں وہ معنویت وحکمت دکھائی نہیں دیتی جو اسم اشارہ بعید کے استعمال میں مضمر ہے۔ یہ امتیاز اعلیٰ حضرت کو حاصل ہے کہ انھوں نے کنزالایمان کے قالب میں اسم اشارہ بعید کے استعمال کی حکمت واضح کر کے رکھ دی ہے۔"[44]

وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں اس میں ہدایت ہے ڈر والوں کو۔

(کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن)

غالباً ڈاکٹر طاہر القادری کی نظر سرسید کے ترجمے پر نہیں پڑی۔ انھوں نے مولانا احمد رضا خاں سے قبل اپنی تفسیر القرآن میں زیرِ نظر آیت کا ترجمہ بالکل اسی طرح کیا۔ تاہم مؤخر الذکر ترجمہ اس لیے بہتر ہے کہ یہ بعد میں لکھا گیا۔

قرآنِ مجید کے ترجمہ میں ثقیل الفاظ کی بجائے مفاہیم کو واضح کرنے والے الفاظ برتے گئے ہیں۔ اس حوالے سے سورۃ یوسف کی یہ آیت ملاحظہ کیجیے:

وَ كَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٦﴾

اور (جس طرح کہ تجھ کو خدا نے برگزیدہ خواب دکھایا ہے) اُسی طرح تجھ کو برگزیدہ کرے گا اور تجھ کو سکھاوے گا علم حوادث عالم کے مال کا اور پورا کرے گا اپنی نعمت کو تجھ پر اور یعقوب کی اولاد پر جس طرح اُس کو پورا کیا ہے اس سے پہلے تیرے دادا پردادا ابراہیم و اسحٰق پر بے شک تیرا پرور دگار جاننے والا ہے حکمت والا۔(سورۃ الیوسف:٦)(٤٥)

سرسید سے قبل شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر ترجمہ کر چکے تھے۔ مولوی نذیر احمد دہلوی ان کے رفیق ہیں۔ انھوں نے بامحاورہ ترجمہ کیا۔ سرسید احمد خاں کے بعد کئی تراجمِ قرآن منظرِ عام پر آئے۔

سرسید احمد خاں نے عربی کے معروف الفاظ کا ترجمہ اردو میں بھی وہی رکھا۔ مثلاً "نبی" کا انھوں نے "نبی" اور "رسول" کا "رسول" ہی کیا۔

قرآنِ کریم کے دورِ حاضر تک دنیا کی مختلف زبانوں میں تراجم شائع ہو چکے ہیں اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ تراجم قرآن میں دو امر بالخصوص پیشِ نظر ہوتے ہیں۔ اول، اس زمانے کے اثرات جس دور میں ترجمہ کیا گیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اوائل میں اردو زبان پر عربی، فارسی کا اثر گہرا تھا علاوہ ازیں اس دور میں لفظی تراجم کی شکل سامنے آتی ہے۔ ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے بامحاورہ تراجمِ قرآن کیے گئے۔ دوم، ترجمے میں خود مترجم کے افکار ونظریات اور نقطۂ نظر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ چناں چہ بعض مقامات پر مترجم اپنا خاص رنگ بھی پیش کر دیتا ہے۔

سرسید احمد خاں کے ترجمہ وتفسیر القرآن میں دونوں رنگ نمایاں نظر آتے ہیں۔ موصوف نے مسلمانوں کے دورِ زوال وتنزل اور معاشی و سیاسی انحطاط کے دور میں اسے سپردِ قلم کیا۔ مخصوص انگریزی تعلیم سے لوگوں کا اندازِ فکر بھی بدل رہا تھا۔ ایسے افراد اسلام اور شریعت کے مسائل کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ انھیں اسی اندازِ فکر میں دین کی تعلیم دینے کی ضرورت تھی۔ ان سے قبل لکھے گئے تراجم و تفاسیر کا سرسید کی ذات پر ایسا ردِعمل ہوا کہ انھوں نے فیصلہ کر لیا کہ فطرت کے قاعدے کے مطابق ترجمہ وتفسیر تحریر کی جائے۔

سرسید اردو نثر میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ ان کی ادبی وتعلیمی اہمیت مسلم ہے۔ انھوں نے اردو اسلوبِ نگارش میں زمانے کے مطابق عربی و فارسی کا خیال رکھا۔ انھوں نے مذہب سے بیگانہ طبقے کو اپنے مخصوص مقاصد اور انداز میں آگاہی کا فیصلہ کیا۔ یہ بات بلاتعامل کہی جاسکتی ہے کہ سرسید نے اپنے دور میں ایک منفرد کام کیا۔

قرآن مجید کی جلالت کا اندازہ اصل متن سے ہی ہوتا ہے ترجمہ اس کی جگہ نہیں لے سکتا۔[۴۶]

سرسید کے ترجمے کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ انھوں نے نہایت واضح ترجمہ کیا۔ سورۃ فاتحہ میں "رب" کا ترجمہ "پالنے والا" کیا ہے جو نہایت مناسب کیا۔ ترجمہ ملاحظہ کیجیے:

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱﴾

"سب بڑائیاں خدا ہی کے لیے ہیں جو تمام عالموں کا پالنے والا ہے۔" (سورۃ الفاتحہ:۱)[۴۷]

الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۲﴾

"بڑا مہربان ہے اور بڑا رحم والا۔" (سورۃ الفاتحہ:۲)[۴۸]

مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ﴿۳﴾

"حاکم ہے انصاف کے دن کا" (سورۃ الفاتحہ:۳)

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ﴿۴﴾

"ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے ہم مدد چاہتے ہیں۔" (سورۃ الفاتحہ:۴)

اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ﴿۵﴾

"ہم کو سیدھی راہ پر چلا" (سورۃ الفاتحہ:۵)

صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ ﴿۶﴾

"اُن لوگوں کی راہ پر جن پر تو نے بخشش کی ہے۔" (سورۃ الفاتحہ:۶)

غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ ﴿۷﴾

"نہ اُن کی راہ پر جن پر تیرا غصہ ہوا ہے اور نہ بھٹکنے والوں کی راہ پر۔" (سورۃ الفاتحہ:۷)[۴۹]

سرسید احمد خاں نے اپنے ترجمے میں آسان اور سہل انداز اپنایا ہے۔ جسے آنے والے اکثر مترجمین نے بھی اپنایا اور رائج رکھا۔ ملاحظہ کیجیے:

اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۲۰﴾

"بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔" (سورۃ البقرہ:۲۰)[۵۰]

عام طور پر مترجمین نے "للناس" کا ترجمہ "لوگوں سے" کیا ہے۔ ماہرینِ ترجمہ جانتے ہیں کہ "للناس" قواعد کی رو سے "لوگوں کے لیے" مستعمل ہے۔ سرسید احمد کے ترجمے کی یہ خوبی ہے کہ انھوں نے اس کا خاص طور پر لحاظ رکھا۔

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا ﴿۸۳﴾

"اور کہو لوگوں کے لیے اچھی بات۔" (سورۃ البقرہ: ۸۳) [۵۱]

سرسید احمد خاں نے "اھل الکتٰب" کا ترجمہ "اے کتاب والو!" کیا۔ انھوں نے "اٰیٰت" کا ترجمہ "نشانیاں" لکھا اور "تشھدون" کا منفرد اور جامع ترجمہ "جانتے ہو" تحریر کیا۔ ملاحظہ فرمائیے:

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾

اے کتاب والو! تم کیوں کفر کرتے ہو اللہ کی نشانیوں کے ساتھ، اور تم جانتے ہو۔ (سورۃ البقرہ: ۷۰) [۵۲]

درج بالا آیت میں انھوں نے یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ کے لیے "اے کتاب والو" کا لفظ استعمال کیا جو اپنے عہد کا نہایت عام فہم اردو ترجمہ ہے۔

ایک اور مثال سورۂ بقرہ میں ملاحظہ کیجیے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾

"بے شک جو لوگ ایمان لائے ہیں اور اچھے کام کیے ہیں اور پڑھتے رہے ہیں نماز اور دیتے رہے ہیں زکوٰۃ اُن کے لیے اُن کا بدلا ہے اُن کے پروردگار کے پاس اور نہ ڈر ہے اُن پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔" (سورۃ البقرہ: ۲۷۷) [۵۳]

ایک اور ترجمہ ملاحظہ کیجیے:

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾

"کہہ دے (اے پیغمبر) کہ اے اہلِ کتاب کیوں تم روکتے ہو اللہ کے رستہ سے اُس کو جو ایمان لایا تم اللہ کے رستہ کو ٹیڑھا کرنا چاہتے ہو اور تم جانتے ہو اور اللہ بے خبر نہیں اُس سے جو تم کرتے ہو۔" (سورۃ الِ عمران: ۹۹) [۵۴]

سرسید احمد خاں نے ترجمے کو عام فہم اور معنویت سے لبریز بنانے کے لیے آسان مقامی الفاظ کا استعمال کیا سورۃ البقرہ کی آیتِ مبارکہ میں ملاحظہ کیجیے:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۗ قَالُوْۤا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۗ قَالَ

إِنِّيٓ أَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُونَ ﴿٣٠﴾

"اور جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں بولے کیا تو اُس میں ایسے کو خلیفہ کرے گا جو اُس میں فساد کرے اور خون بہاوے، اور ہم تو تیری تعریف جپتے ہیں اور تجھ پاک کو یاد کرتے ہیں، کہا میں جانتا ہوں وہ کچھ جو تم نہیں جانتے۔" (سورۃ البقرہ: ۳۰)[۵۵]

درج بالا ترجمہ نہایت سلیس اور رواں ہے۔ آج تقریباً ایک سو بیس سال گزرنے کے باوجود ترجمہ بخوبی سمجھا جاسکتا ہے علاوہ ازیں "تعریف جپنا" کا استعمال مقامی محاورہ ہے۔ انھوں نے انداز بھی وہ اپنایا جو کلامِ الٰہیٰ میں تکلم کا بیان ہوا ہے۔

وَنَزَعَ يَدَهُۥ فَإِذَا هِيَ بَيۡضَآءُ لِلنَّٰظِرِينَ ﴿١٠٨﴾

"اور نکالا اپنا ہاتھ پھر یکا یک وہ چٹا تھا دیکھنے والوں کے لیے۔" (سورۃ الاعراف: ۱۰۸)[۵۶]

اس ترجمے میں "وہ چٹا تھا" مقامی زبان کے الفاظ ہیں۔

عَٰلِمُ ٱلۡغَيۡبِ وَٱلشَّهَٰدَةِ ٱلۡكَبِيرُ ٱلۡمُتَعَالِ ﴿٩﴾

"جاننے والا ہے ڈھکی اور کھلی کا بڑا ہے بلند مرتبہ کا۔" (سورۃ الرعد: ۹)[۵۷]

ترجمہ نہایت عام فہم اور ہندی الفاظ میں کیا گیا۔ علاوہ ازیں "غیب" اور "شہادۃ" کا ترجمہ "ڈھکی" اور "کھلی" سرسید نے ہی کیا ہے۔

الٓرۚ تِلۡكَ ءَايَٰتُ ٱلۡكِتَٰبِ وَقُرۡءَانٖ مُّبِينٖ ﴿١﴾

"الر۔ یہ ہیں آیتیں کتاب کی اور بیان کرنے والے قرآن کی۔" (سورۃ الحجر: ۱)[۵۸]

سرسید احمد خاں نے "مبین" کا ترجمہ "بیان کرنے والا" تحریر کیا۔

سرسید احمد خاں نے مختلف الفاظ کا ترجمہ مختلف مقامات پر ربط و مناسبت سے کیا۔ سورہ حجر میں انھوں نے "علیم" کا ترجمہ "دانا" کیا جو کہ جامع اور موزوں ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

قَالُواْ لَا تَوۡجَلۡ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَٰمٍ عَلِيمٖ ﴿٥٣﴾

"انھوں نے کہا کہ مت ڈر بے شک ہم تجھ کو خوشخبری دیں گے ایک دانا لڑکے کی۔"[۵۹]

سرسید نے بعض عام فہم عربی الفاظ کو اسی طرح ہی ترجمے میں تحریر کیا۔ مثال کے طور آیت کا ترجمہ دیکھیے:

وَلَنَآ أَعۡمَٰلُنَا وَلَكُمۡ أَعۡمَٰلُكُمۡ وَنَحۡنُ لَهُۥ مُخۡلِصُونَ ﴿١٣٩﴾

"اور ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمھارے لیے تمھارے اعمال، اور ہم اُسی کے مخلص ہیں۔"(سورۃ البقرہ:۱۳۹)(۶۰)

"اعمال" کا ترجمہ "اعمال" علاوہ ازیں صیغہ جات کا بھی قواعد کے لحاظ سے خیال رکھا اور "مخلصون" کا ترجمہ "مخلص" ہی تحریر کیا۔سرسید کے ترجمے میں قواعد کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔اس کی مزید امثلہ بھی پیش کی جاسکتی ہیں لیکن راقم طوالت کی وجہ سے اسے مختصر کر رہا ہے۔

ادبی حوالے سے دیکھا جائے تو قرآنِ کریم، رب العزت کا فصیح و بلیغ لافانی کلام ہے۔اس کے الفاظ جہانِ معانی کا بحرِ بیکراں ہیں۔کتابِ الٰہی کے آہنگ، صوت وصورت کے حسن و جمال، شکوہ وکمال اور ترنم وحلاوت کی کوئی مثال نہیں۔ کلامِ الٰہی ادب کا ایسا شاہ کار ہے جو لافانی ولازوال ہے۔کلامِ مقدس کے متنوع موضوعات کے باوجود آیات میں تسلسل و ربط قائم نظر آتا ہے۔کلام اللہ میں تکرارِ موضوعات کے ساتھ ساتھ ہر جگہ حکمت و دانائی کا خزانہ موجود ہے۔ پڑھنے والا جتنی بار پڑھتا ہے ہر دفعہ منفرد انداز میں لطف اندوز ہوتا ہے۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ۔

"وہ زیبائش ہیں تمھارے لیے اور تم زیبائش ہو اُن کے لیے"(سورۃ البقرہ:۱۸۷)(۶۱)

سرسید نے "لباس" کے لیے "زیبائش" کا خوب صورت لفظ استعمال کیا جس سے معنوی جامعیت اور حسن بھی نمایاں ہے۔میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کے لیے زیب و زینت کا باعث ہیں۔ دونوں کا آپس میں کوئی پردہ نہیں اور یہ مجاز و کنایے کی بہترین مثال ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۸۹﴾

"وہی ہے جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان سے اور پیدا کیا اُس سے اُس کا جوڑا تا کہ رہے اُس کے پاس۔ پھر جب ڈھانک لیا اُس نے اُس کو تو وہ بوجھل ہوگئی تھوڑے سے بوجھ سے پھر اُسی کے ساتھ (یعنی اُسی بوجھ کے ساتھ) چلی گئی (یعنی وہ بوجھ اس میں رہتا رہا) پھر جب وہ بھاری ہوگیا تو دونوں نے اپنے پروردگار سے دعا مانگی کہ دے ہم کو (لڑکا) بھلا چنگا تا کہ ہم ہوں شکر کرنے والوں میں سے۔"(سورۃ الاعراف:۱۸۹)(۶۲)

ترجمے میں کنایہ و مجاز کا استعمال عمدگی سے پیش کیا گیا علاوہ ازیں "بوجھل"، "بوجھ"، "بھاری" اور "بھلا چنگا" مقامی

ہندی الفاظ نے ترجمے کو مزید عام فہم بنا دیا ہے۔

وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ﴿۹۳﴾

"اور اُن کے دلوں میں پلادی گئی تھی بچھڑے کی (محبت) اُن کے کفر کے سبب۔"(سورۃ البقرہ: ۹۳)[۶۳]

مذکورہ بالا آیت کا سرسید نے تمثیلی انداز میں بلیغ ترجمہ کیا۔

تِلْكَ اَمَانِیُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۱۱﴾

"یہ اُن کی تمنا ہے (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تو اُن سے) کہہ دے کہ تم اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو۔"(سورۃ البقرہ:۱۱۱)[۶۴]

سرسید نے "امانیھم" کا ترجمہ "اُن کی تمنا" کیا۔ یہ نہایت سادہ، عام فہم اور بلاغت کی خوبی سے لبریز ہے۔

سرسید احمد خاں کا ترجمۂ قرآن اردو زبان کے ارتقا کے حوالے سے ایک گراں قدر کاوش ہے۔ انھوں نے مقاصدِ خاص کے تحت ترجمہ کیا اور قواعد کا خاص خیال رکھا۔ سرسید نے جس طرح اردو نثر میں سادگی، سلاست اور مطلب نگاری کو فروغ دیا۔ اسی طرح ان کے ترجمے میں بھی مطالبِ قرآن کو عام فہم زبان میں پیش کرنے کی کوشش کی۔ ان کا کام مکمل نہ ہوسکا کیونکہ ۱۸۹۸ء میں وہ راہیٔ ملکِ عدم ہوگئے تاہم ان کے رفقا نے ان کے مشن کو جاری رکھا۔ ڈپٹی نذیر احمد دہلوی نے اردو محاورات کو بھی اپنے ترجمۃ القرآن میں سمویا۔ سرسید نے جس مقصد اور دور میں قرآن کا ترجمہ کیا، اس نے ارتقا کی منازل طے کیں۔ ۱۸۹۳ء میں ڈپٹی نذیر احمد دہلوی (۱۸۳۰ء-۱۹۱۲ء)[۶۵] نے ترجمہءقرآن پاک کی ابتدا کی جسے انھوں نے ۱۸۹۸ء میں مکمل کیا اور اس کی اولین اشاعت مطبعِ قاسمی دہلی نے کی۔ ۱۹۰۰ء میں اردو زبان میں کثیر تعداد میں تراجم منظر عام پر آئے۔ یوں ہر سطح پر سرسید نے حالات کو نیا رُخ دیا اور مزید راہیں متعارف کرائیں۔ یہ شعر ان کی ذات کا مکمل عکاس ہے:

دنیا میں وہی شخص ہے تعظیم کے قابل
جس شخص نے حالات کا رُخ موڑ دیا ہے

حواشی

(۱) محمد اکرام چغتائی، مرتب، مضامینِ سرسید، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء)، ص ۵

(۲) قدرت اللہ بخاری، سرسید احمد خان (بانی نظریہ پاکستان)، (لاہور: جدید ایجوکیشنل سروسز، ۲۰۰۸ء)، ص ۵،۶

(۳) ایضاً، ص۶

(۴) ایضاً، ص۹

(۵) ایضاً،ص ۴۲

(۶) ایضاً،ص ۴۲، ۴۳

(۷) ایضاً،ص۵۶

(۸) مولانا الطاف حسین حالی، حیاتِ جاوید، جلد اوّل، (میر پور آزاد کشمیر: ارسلان بکس، ۲۰۰۰ء)،ص ۱۷

(۹) ایضاً

(۱۰) ایضاً

(۱۱) ایضاً،ص ۱۷، ۲۷

(۱۲) ایضاً،ص ۲۵۸

(۱۳) ایضاً،ص ۲۵۸، ۲۵۹

(۱۴) ایضاً،ص ۲۵۹

(۱۵) ایضاً،ص ۲۶۱

(۱۶) ایضاً،ص ۲۶۵

(۱۷) مولانا الطاف حسین حالی، ایضاً، (حاشیہ)،ص ۲۶۶

(۱۸) ڈاکٹر بلیغ الدین جاوید، معزز قارئین، مشمولہ نشانِ راہ از سرسید احمد خاں، (لاہور: بستانِ ادب، ۱۹۵۸ء)،ص ۵

(۱۹) یہ کتاب ۱۸۶۱ء میں سر ولیم میور لیفٹیننٹ گورنر صوبہ جات آگرہ اور اودھ نے لکھی جسے چار ضخیم جلدوں میں شائع کیا گیا۔

(۲۰) سرسید احمد خاں، نشانِ راہ، محولہ بالا،ص ۹

(۲۱) ایضاً،ص ۱۳، ۱۴

(۲۲) ایضاً، تفسیر القرآن، (لاہور: مطبع رفاہِ عام اسٹیم پریس، س ن)،ص ۲

(۲۳) نواب سید مہدی علی خاں (۱۸۳۷ء - ۱۹۰۷ء) کا خطاب "محسن الملک" ہے۔ انھوں نے سرسید تحریک میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ وہ حیدر آباد دکن میں بورڈ آف ریونیو کے سربراہ رہے۔ سرسید کے انتقال کے بعد علی گڑھ کالج میں بطور سیکرٹری فرائض انجام دیے۔ انھوں نے اپنی دانش مندی اور محنت و تدبر سے اسے یونی ورسٹی کا درجہ دلایا۔ مسلم لیگ کے قیام کے بعد اس کے جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔ مسلمانانِ برِعظیم پر اُن کے احسانات ناقابلِ فراموش ہیں۔

(۲۴) سرسید احمد خاں، تفسیر القرآن، محولۂ بالا،ص ۲

(۲۵) مکتوب مہدی علی خاں بنام سرسید احمد خاں مرقومہ ۹/اگست ۱۸۹۲ء

(۲۶) مکتوب بنام نواب محسن الملک مہدی علی خاں مرقومہ ۱۷/اگست ۱۸۹۲ء

(۲۷) مولانا الطاف حسین حالی، حیاتِ جاوید، محولۂ بالا،ص ۲۶۴

(۲۸) ایضاً

(۲۹) ایضاً،ص ۲۶۶

(۳۰) ایضاً

(۳۱) ایضاً،ص ۲۶۷

(۳۲) ایضاً

(۳۳) ایضاً،ص۲۶۸

(۳۴) ایضاً

(۳۵) سورۃ البقرہ:۲۳

(۳۶) ڈاکٹر خالد ندیم، اردو زبان کا ارتقا، تراجمِ قرآن کی روشنی میں، مشمولہ معارف مجلّۂ تحقیق، جنوری- جون ۲۰۱۶ء، (کراچی: ادارۂ معارفِ اسلامی)، ص۵۵

(۳۷) ایضاً،ص۵۹

(۳۸) محمد اکرام چغتائی، مرتب، مضامینِ سرسید، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء)، ص۵

(۳۹) سرسید احمد خاں، مضامینِ سرسید (مذہبی، تعلیمی، اخلاقی اور سماجی تحریروں کا جامع انتخاب)، مرتبہ محمد اکرام چغتائی، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء)، ص۹۳

(۴۰) ایضاً،ص۹۴

(۴۱) ڈاکٹر رشید احمد جالندھری، ترجمہ قرآن اور مولانا احمد رضا خان، مشمولہ معارفِ رضا، (کراچی: ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل ۱۹۹۴ء)، ص۴۲، ۴۳

(۴۲) سرسید احمد خاں، تفسیر القرآن، محولۂ بالا، ص۱۲

(۴۳) ایضاً،ص۱۷

(۴۴) ڈاکٹر محمد طاہر القادری، کنزالایمان کی فنی حیثیت، (لاہور: منہاج القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء)، ص۱۷، اشاعتِ ہفتم

(۴۵) سرسید احمد خاں، تفسیر القرآن، محولۂ بالا، ص۸۰

(۴۶) امتیاز سعید احمد، پروفیسر، امام احمد رضا کا ترجمہ قرآن "کنزالایمان" مشمولہ معارفِ رضا، (کراچی: ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، ۱۹۸۲ء)، ص۴۸

(۴۷) سرسید احمد خاں، تفسیر القرآن، محولۂ بالا، ص۱۲

(۴۸) ایضاً

(۴۹) ایضاً

(۵۰) ایضاً،ص۲۹

(۵۱) ایضاً،ص۱۲۹

(۵۲) ایضاً،ص۲۳

(۵۳) ایضاً،ص۳۰۲

(۵۴) ایضاً،ص۴۰/۴۲۶

(۵۵) علاوہ ازیں آیاتِ قرآنی کے تعدد میں بھی فرق پایا جاتا ہے۔ تفسیر القرآن از سرسید میں اس آیت کا نمبر ۹۴ درج ہے جب کہ باقی جگہ نمبر ۹۹ درج ہے۔

(۵۶) سرسید احمد خاں، تفسیر القرآن، محولۂ بالا، ص۵۰/۱۱۱ تا ۵۵/۱۱۶ سورۃ البقرہ:۳۰ (تفسیر القرآن میں آیت نمبر ۲۸ درج ہے۔)

(۵۷) ایضاً،ص۱۷۶/۲/۳۲۷ سورۃ الاعراف:۱۰۸ (تفسیر القرآن میں آیت نمبر ۱۰۵ درج ہے۔)

(۵۸) ایضاً، ص۶۷۱/ ۷۳۲ سورۃ الرعد: ۹ (تفسیر القرآن میں آیت نمبر ۱۰ درج ہے۔)
(۵۹) ایضاً، ص۱۰۶/ ۱۰۴۴ سورۃ الحجر: ۱
(۶۰) ایضاً، ص۱۱۰/ ۱۰۴۹ سورۃ الحجر: ۵۳
(۶۱) ایضاً، ص۱۸۶/ ۲۴۶ سورۃ البقرہ: ۱۳۳
(۶۲) ایضاً، ص۲۲۹/ ۲۹۰ سورۃ البقرہ: ۱۸۷ (تفسیر القرآن میں آیت نمبر ۱۸۳ درج ہے۔)
(۶۳) ایضاً، ص۲۲۱، ۲۲۲/ ۷۷۶، ۷۷۷ سورۃ الاعراف: ۱۸۹
(۶۴) ایضاً، ص۱۳۶/ ۱۹۷ سورۃ البقرہ: ۹۳ (تفسیر القرآن میں آیت نمبر ۸۷ درج ہے۔)
(۶۵) ایضاً، ص۱۶۰/ ۲۲۱ سورۃ البقرہ: ۱۱۱ (تفسیر القرآن میں آیت نمبر ۱۰۵ درج ہے۔)
(۶۶) مؤلف حیات النذیر سید افتخار عالم بلگرامی کے مطابق ڈپٹی نذیر احمد دہلوی نے تعزیراتِ ہند کے ترجمے کے صلے میں ڈپٹی کلکٹری کے لیے حکومتِ وقت کو جو ذاتی کوائف پیش کیے ان میں انھوں نے اپنی تاریخ پیدائش ۶/دسمبر ۱۸۳۶ء کے بجائے ۲۱/ستمبر ۱۸۳۳ء بتائی، جب کہ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے اپنے تحقیقی مقالے مولوی نذیر احمد دہلوی: احوال و آثار میں سنہِ پیدائش کا تعین ۱۸۳۰ء کیا۔ ان کے ناولوں کا مطالعہ مقصود ہو تو سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور کا شائع کردہ مجموعہ ڈپٹی نذیر احمد ملاحظہ کیجیے۔

مآخذ

(۱) بخاری، قدرت اللہ، سر سید احمد خان (بانی نظریہ پاکستان)، لاہور: جدید ایجوکیشنل سروسز، ۲۰۰۸ء
(۲) جاوید، بلیغ الدین، ڈاکٹر، معزز قارئین، مشمولہ نشانِ راہ از سرسید احمد خاں، لاہور: بستانِ ادب، س ن
(۳) چغتائی، محمد اکرام، مرتب، مضامینِ سرسید، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء
(۴) حالی، الطاف حسین، مولانا، حیاتِ جاوید، جلد اول، میر پور آزاد کشمیر: ارسلان بکس، مئی ۲۰۰۰ء
(۵) خاں، سید احمد، سر، نشانِ راہ، لاہور: بستانِ راہ، س ن
(۶) ـــــــ، تفسیر القرآن، لاہور: مطبع رفاہِ عام اسٹیم پریس، س ن
(۷) ـــــــ، مضامینِ سرسید (مذہبی، تعلیمی، اخلاقی اور سماجی تحریروں کا جامع انتخاب)، مرتبہ محمد اکرام چغتائی، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء
(۸) طاہر القادری، محمد، ڈاکٹر، کنز الایمان کی فنی حیثیت، لاہور: منہاج القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، اشاعتِ ہفتم

رسائل و جرائد

(۱) معارف مجلّۂ تحقیق، کراچی: ادارۂ معارف اسلامی، جنوری- جون ۲۰۱۶ء
(۲) معارفِ رضا، کراچی، شمارہ: ۱۲۹، ۱۹۸۲ء، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل
(۳) معارفِ رضا، کراچی، شمارہ: ۱۵۴، ۱۹۹۴ء، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل

صحفِ سماوی

(۱) القرآن، سورۃ البقرہ: ۲۳

مکتوبات

(۱) مکتوب مہدی علی خاں بنام سرسید احمد خاں، مرقومہ ۹/اگست ۱۸۹۲ء

(۲) مکتوب مہدی علی خاں بنام نواب محسن الملک، مرقومہ ۱۷/اگست ۱۸۹۲ء